فصل چہارم

معاشی امداد کے ادارے

جس طرح خلیج کی پہلی جنگ کے بطن سے 'نیو ورلڈ آرڈر' نے جنم لیا تھا، اسی طرح موجودہ عراق اور افغانستان کی جنگ اور عالمی مالیاتی بحران کے بطن سے 'نیا عالمی معاشی نظام' جنم لینے لیے تیار ہے۔ یہ کھیل اوباما کے صدارتی حلف کے بعد شروع کیا گیا۔ امریکا کے نومنتخب صدر باراک اوباما کا صدارتی کھیل ۲۰ جنوری ۲۰۰۹ء کو حلف اٹھانے کے بعد شروع ہوگیا، لیکن اس سے پہلے ہی وہ اس قسم کے اقدامات اٹھا رہے تھے اور جن افراد کو اپنی آنے والی کابینہ میں شامل کر رہے تھے اس سے ان کے اور ان کی پشت پر کھڑی صیہونی مالیاتی ایمپائر کے عزائم بڑی حد تک کھل کر سامنے آ چکے تھے۔ دنیا نے باقاعدہ طور پر ۲۰ جنوری ۲۰۰۹ء کے بعد کس طرح رُخ کیا ہم اس کی جھلک دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سرسری طور پر ۱۹۵۰ء سے لے کر ۷۰ کی دہائی کے اوائل تک بے نظیر اقتصادی نمو اور منصفانہ اقتصادی نمو کا دور تھا۔ لہٰذا کم آمدنی والے گروہ بھی اچھے رہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب سے اونچی آمدنی والے گروہ سے بھی اچھے رہے۔ یہ مدت آبادی کے لیے بعض محدود مگر حقیقی فوائد کی مدت تھی۔ درحقیقت معاشرتی صحت کا اندازہ لگانے کے جو معاشرتی پیمانے ہیں انھوں نے بھی واضح طور سے ترقی ہی کا پتہ دیا۔ جب ترقی و نمو بڑھتی ہے تو ترقی کے معاشرتی معیارات میں بھی اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ آپ توقع کرتے ہیں بہت سارے ماہرین اقتصادیات اسے جدید سرمایہ داریت کا سنہری دور قرار دیتے ہیں حالانکہ انہیں اسے ریاستی سرمایہ داری کا نام دینا چاہیے کیونکہ حکومتی سرمایہ ہی اس نمو و ترقی کا اصل انجن تھا جو ۷۰ کی دہائی کے وسط میں تبدیل ہوگیا۔

اندازوں کو ہوا ملی، کرنسی اور دیگر کاغذی حرفت بازیوں کے حوالے سے جو اندازے تھے ان میں سرمایہ کی بڑی رقم جھونکنے کا سلسلہ شروع ہوگیا اور پوری کی پوری معیشت مالیت زدہ ہوگئی۔ اقتصاد کی قوت مصنوعاتی عمل سے مالیاتی اداروں کو منتقل ہوگئی اور جبھی سے آبادی کی اکثریت کو بہت ہی سخت وقت کا سامنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی تاریخ میں ایسا زمانہ شاذ و نادر ہے۔ کوئی دوسرا زمانہ ایسا نہیں ہے۔ جہاں حقیقی تنخواہیں یعنی وہ تنخواہیں جو افراطِ زر کی تلافی کے لیے ہوں آبادی کی اکثریت کے لیے ایک طویل عرصہ تک کم و بیش منجمد رہی ہوں اور جہاں تک معیارِ زندگی بھی جمود بلکہ زوال کا شکار رہی ہوں۔ اگر آپ معاشرتی علامات پر نظر ڈالیں تو تقریباً ۱۹۷۵ء تک اقتصادی نمو کے آثار ملتے ہیں اور یہیں سے پھر زوال کا آغاز ہوتا ہے جو ہمیں ۱۹۶۰ء کی سطح تک نیچے لے جاتا ہے۔ ترقی تو تھی مگر انتہائی غیر مساویانہ تھی۔ اس ترقی کے فوائد بہت ہی قلیل لوگوں کی جیبوں میں گئیں۔[۱]

امریکی معیشت:

امریکا سب سے زیادہ مال دار اور سب سے زیادہ غریب ملک ہے،' وہاں معاشی اُتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔

۱۲۷۔ نجات اللہ صدیقی، ماہنامہ افکار ملی دہلی، جنوری ۲۰۰۸ء

۱۹۳۰ء میں ایسا ہی ایک اتار آیا تھا اور آج (۱۵ اپریل ۱۹۸۹ء) پھر عام امریکی آدمی معاشی تنگی کا شکار ہے۔ لیکن یہ مایوسی پہلے سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ ۱۹۳۰ء میں آئے Depression اور آج کے Depression میں یہی فرق ہے کہ اس وقت بے روزگاری شدید تھی لیکن پھر بھی ہر آدمی کا حوصلہ برقرار تھا۔ مستقبل کی اُمید تھی لیکن اس وقت ایک عام مایوسی چھائی ہوئی ہے اور یہ احساس عام ہے کہ اب کچھ نہیں کر سکتے۔ اس وقت ہمارے دیہات میں اسکولی بچے یا استاد بھوکے اسکول نہیں جاتے۔ استادوں کو یہ خوف نہ تھا کہ وہ ہال میں جائیں گے تو کوئی نشہ کا عادی طالب علم انہیں شوٹ کر دے گا۔ آج کی صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکا نے بنیادی طور پر اپنے آپ کو ایک عالمی معاشی نظام کی حیثیت دی تھی اور وہ ایک 'ورلڈ بینکر' کا رول ادا کر رہا تھا۔ خاص طور پر ۱۹۴۴ء میں اقوامِ متحدہ کی مانیٹری اور فنانشل بریٹن وڈس کانفرنس میں امریکا نے اپنی شناخت عالمی معاشی چوہدری کے بطور کرائی۔ چنانچہ امریکن ڈالر محفوظ عالمی کرنسی قرار دیا گیا جو سونے کے مقابل تھا۔ جبکہ دوسرے ملکوں کی کرنسیاں ڈالر کے مقابلے میں متعین ہو رہی تھیں۔ ۱۹۵۰ء اور ۶۰ء کی دہائیوں میں جو خاص معاشی افزونی دیکھنے میں آئی اس کے پس پشت یہی سسٹم کام کر رہا تھا۔ لیکن ۱۹۷۰ء کی دہائی میں بریٹن وڈس والا یہ نظام پائیدار نہ رہ سکا اور معاشی طور پر امریکا اتنا مضبوط نہیں رہ سکا کہ وہ ورلڈ بینکر کا رول نبھائے جس کی خاص وجہ ویت نام جنگ میں اس کے زبردست اخراجات تھے۔ لہٰذا اس وقت صدر رچرڈ نکسن نے اس پورے سسٹم کو ہی بدلنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۷۰ء کی دہائی میں انہوں نے امریکا سے سونے کے معیار کو ختم کر دیا۔ امپورٹ ڈیوٹیز میں اضافہ کیا اور بتدریج اس پورے نظام کو ختم کر دیا۔ جب عالمی سطح کا یہ ریگولیٹری ضابطہ ختم ہوا تو بڑے پیمانے پر کرنسیوں کے مقابل اصل زر کی بجائے زر کا تخمینہ سسٹم شروع ہوا جو آج تک چل رہا ہے۔ واضح رہے کہ اب معیشت کے کئی ماہرین اور سیاسی تجزیہ نگار ڈالر کی موت اور اس کے نتیجے میں امریکا کے زوال کی خبر دے رہے ہیں۔[۲]

موجودہ دنیا کے معاشی مسائل

خیال کیا جاتا ہے کہ معاشی ترقی کے اعتبار سے دنیا ایک نسبتاً اچھے دور سے گزر رہی ہے۔ اگر ترقی کا پیمانہ مادی دولت، اشیاء اور خدمات کی شکل میں صرف کی جانے والی چیزوں اور ان چیزوں کی پیداوار کے لیے درکار آلات، خام مال وغیرہ میں اضافہ کو قرار دیا جائے تو گزشتہ چند دہائیوں سے دنیا مسلسل ترقی کر رہی ہے۔ اس کے باوجود لوگ مطمئن نہیں ہیں، نہ عام لوگ نہ ماہرین معاشیات وسماجیات۔

اس بے اطمینانی کے متعدد اسباب میں سے دو سرفہرست ہیں۔ اول یہ کہ اس ترقی کے ساتھ ماحولیاتی آلودگی بڑھ رہی ہے۔ عالمی سطح پر درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے اور انسانی حیوانی اور نباتاتی وجود میں طرح طرح کے عدم توازن نمودار ہو رہے ہیں۔ دوسری قابل تشویش بات عدم مساوات میں اضافہ اور ازالہ غربت میں ناکامی ہے۔ یہ اضافہ اور یہ ناکامی ملکوں

۲۔ "Under Standing Power" (مترجم وتلخیص) ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی، مجموعۂ مقالات شائع کردہ دی نیوز پریس نیو یارک ۲۰۰۲ء، ماہنامہ افکار ملی دہلی، شمارہ جون ۲۰۰۸ء

کے مابین بھی ہوئی ہے اور ہر ملک کے اندر بھی وارد ہے۔ یہ بات اس لیے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے ڈانڈے عالمی سطح پر امن و امان برقرار رہنے سے ملے ہوئے ہیں۔ جن غریب ممالک کو حالیہ ترقی سے کچھ بھی نہیں ملا، بلکہ بعض مشاہدین کے نزدیک ان سے کچھ چھن گیا۔ جیسا کہ صحاریٰ کے جنوب میں واقع بعض افریقی ممالک کے بارے میں کچھ ماہرین کا خیال ہے وہ اس کا ذمہ دار چھائے ہوئے عالمی معاشی اور مالیاتی نظام نیز چند ترقی یافتہ ممالک کی چودھراہٹ بلکہ استحصالِ بے جا کو گردانتے ہیں۔ اسی طرح امیر ترین ملکوں میں بھی فقر و فاقہ کا وجود بے گھر لوگوں کی معتدبہ تعداد اور تعلیم اور طبی خدمات سے محروم لوگ اس بات پر گواہ ہیں کہ معاشرہ دولت اور آمدنی کی تقسیم کے باب میں عدم توازن کا شکار ہے۔

رہے دنیا کے دوسرے ممالک تو ان کے شہروں میں جھگی جھونپڑی والی آبادیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ پینے کے پانی کی قلت، صفائی ستھرائی کے اہتمام میں کمی اور آبادی کی کثیر تعداد کی طبی خدمات سے محرومی ایک طرف تو زندگی کو راحت کی بجائے اجیرن بنائے ہوئے ہے اور دوسری طرف اس سے جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ عدم تحفظ کا احساس بڑھ رہا ہے۔ عالم ثالث کے دیہاتوں میں کاشتکاری کے لیے بڑھتی ہوئی آبادی کا بوجھ برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ بڑی آبادیاں روزگار کے لیے شہروں کا رُخ کر رہی ہیں۔ جہاں جھگی جھونپڑی کے سوا کوئی مسکن ان کے امکانات سے باہر ہے۔

یہ کہنا آسان ہے کہ یہ مسائل سرمایہ دارانہ نظام کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ علاج کی کیا صورت ہو۔ گزشتہ صدی میں سرمایہ دارانہ نظام کی چیرہ دستیوں سے بچنے کے لیے انسانی آبادی کے تقریباً تہائی حصہ نے سوشلزم کا تجربہ کیا جو بری طرح ناکام رہا۔[۳]

مالیاتی ادارے

عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ:

عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کا قیام دوسری جنگ عظیم کے بعد عمل میں آیا۔ ان کی تشکیل کا مقصد اس دور کی سب سے بڑی کساد بازاری جیسی معاشی آفتوں پر قابو پانے میں مدد فراہم کرنا تھا۔ عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے اس وقت دنیا کے سب سے بڑے ساہوکار یعنی قرضے فراہم کرنے والے ادارے ہیں۔ عالمی بینک لگ بھگ ۲۰۰ ملین ڈالر مالیت کے قرضے فراہم کرنے کا بندوبست کرتا ہے۔ جبکہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ رکن ممالک کی حکومتوں کو مختصر المدتی فنڈ فراہم کرتے ہیں۔ یہ دنیا کے سب سے بڑے قرض فراہم کرنے والے مگر مچھ ہیں۔ جب بینک اور ملیاتی فنڈ قرض خواہ ملکوں کو قرضہ فراہم کرتے ہیں تو اس کے ساتھ چند شرائط بھی ہوتی ہیں۔ یعنی یہ شرائط پالیسی سازی سے متعلق ہوتی ہیں جنہیں ڈھانچہ جاتی پالیسی یا اصلاحات کا نام دیا جاتا ہے۔

ان ڈھانچہ جاتی اصلاحات پر مبنی پالیسیوں کو SAPs بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے تحت قرض خواہ ملکوں کی حکومتوں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ غیر ملکی کارپوریشنوں کے لیے اپنی معیشت کو کھول دیں اور سوداکاری کی بنیاد پر اجرتوں اور قیمتوں کے تعین کے ساتھ ساتھ کارکنوں کو ماحول تک رسائی کی سہولت فراہم کرے۔ (ڈھانچہ جاتی اصلاحات کا دوسرے معنوں میں مطلب

۳۔ نجات اللہ صدیقی، ماہنامہ افکار ملی دہلی، جنوری ۲۰۰۸ء

سرکاری اداروں اور سرکاری ملکیتی صنعتوں کی نجکاری ہے۔ اس سے مراد حکومتی بجٹ کے حجم کو گھٹانا، صحت اور تعلیمی سہولتوں کے لیے وسائل میں کٹوتی کرنا ہے۔

اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ کسان خاندانوں کی مدد اور مقامی معاشروں کے لیے خوراک بڑھانے کی بجائے صنعتی ملکوں کے لیے برآمدی فصلوں کی پیداوار پر توجہ دیں اور اس کی نمایاں مثال ان شرائط کا لاطینی امریکہ، اور افریقہ جیسے غریب ممالک پر یکے بعد دیگرے ان شرائط کو مسلط کرنا ہے۔

کئی عشروں سے تیسری دنیا کے ممالک عالمی بنک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی جانب سے ان کے ملک میں غیر جمہوری انداز میں ایسی پالیسیاں ٹھونسنے کے خلاف احتجاج کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اپریل ۲۰۰۹ء میں ۲۰ ہزار مظاہرین واشنگٹن ڈی سی (ڈسٹرکٹ کولمبیا) میں اکٹھے ہو گئے۔ ان دنوں ان مالیاتی اداروں کے موسم بہار کے اجلاس جاری تھے۔ مظاہرین کا مطالبہ تھا کہ یہ ادارے بین الاقوامی سطح پر فیصلہ سازی میں زیادہ سے زیادہ جمہوری انداز اپنائیں۔ ایسے ہی مظاہرے اسی سال پراگ جمہوریہ چیک میں بھی ستمبر میں ہوئے واشنگٹن کے مظاہروں نے عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے معاملات کو جانچ پڑتال کے شکنجے میں لانے کے ساتھ ساتھ مظاہرین کی جانب سے قوموں کے اندر اور ان کے درمیان پائی جانے والی دولت کی غیر منصفانہ تقسیم پر عام بحث کا مطالبہ زور پکڑ گیا اور انہوں نے عالمی مالیاتی اداروں کو انتباہ کیا کہ وہ اپنا یہ معمول مزید جاری نہیں رکھ سکتے۔

عالمی بینک

۱۹۴۴ء میں بریٹن ووڈز کانفرنس میں اس کا وجود عمل میں آیا عالمی بینک کا گروپ پانچ اداروں پر مشتمل ہے جو نہ صرف قرضہ فراہم کرتے ہیں بلکہ اپنے رکن ۱۷۷ ممالک کے لیے قرضہ کی ضمانت دیتے ہیں، سڑکوں، توانائی کے پلانٹس اور سکولوں کی تعمیر کے علاوہ بینک کسی بھی ملک کے اقتصادی نظام کی تشکیل نو کے لیے بھی قرض دیتا ہے۔ اسے ڈھانچہ جاتی اصلاحات کا پروگرام یعنی (SAP) کہا جاتا ہے۔ بینک مجموعی طور پر ۲۰۰ بلین ڈالر قرض فراہم کرتا ہے اور گزشتہ سال بینک نے ۸۰ سے زائد ممالک کو 28.9 بلین ڈالر قرض فراہم کیا۔

آئی ایم ایف (IMF)

اس فنڈ کا قیام بھی بریٹن وڈز کانفرنس میں عمل میں آیا۔ آئی ایم ایف کا مقصد رکن ممالک کو سرمایہ فراہم کرنا ہے تاکہ وہ مختصر المدتی ادائیگیوں کے توازن کی مشکلات پر قابو پا سکیں۔ یہ رقم بھی اسی صورت میں ملتی ہے جب قرض خواہ ملک اپنی معیشت میں ڈھانچہ جاتی تبدیلی لانے پر رضامند ہوتا ہے۔ یعنی ڈھانچہ جاتی اصلاحات پر آمادگی ظاہر کر دے۔

ڈھانچہ جاتی اصلاحات کے نتیجے میں اکثر ممالک میں غربت بڑھی، لاکھوں افراد کی مشکلات میں اضافہ ہوا اور وسیع پیمانے پر ماحول کو نقصان پہنچا۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے سے لے کر اب تک اس کے نتیجے میں اکثر ترقی پذیر ممالک سے سرمایہ کی بیرونِ ملک منتقلی میں اضافہ ہوا جس کے باعث قرض خواہ ممالک سے قرض کی نسبت ۵ گنا سرمایہ شمال کے صنعتی طور پر ترقی پذیر ممالک کو منتقل ہوا۔[۴]

۴۔ کشور ناہید، تدوین کار سیاسی کارکنان کے لیے راہنمائی، پتن آرگنائزیشن، اسلام آباد

دراصل شمال کے امیر ممالک کا عالمی بینک اورآئی ایم ایف پر غلبہ ہے اور وہ ان اداروں کا ایجنڈا اپنی مرضی کے مطابق چلاتے ہیں۔موجودہ حالت برقرار رکھنے میں ان کے مفادات کا تحفظ منحصر ہے مزید برآں عالمی بینک کے سٹاف میں اکثریت ایسے معیشت دانوں کی ہے جنہوں نے اپنا کیریئر نیوکلاسیکل معیشت کے جواز کے دفاع میں بسر کیا ہے اوریہی عالمی بینک کا ترقی کے بارے میں نظریہ ہے۔

اس قدیمی نظریہ کے مطابق آزادانہ منڈی کی معیشت اورنجی صنعتکار اور کاشتکار اور بین الاقوامی تجارت اور مسابقت کے فوائد بڑے قابل احترام ہیں۔ بیرونی عناصر کے لیے احتساب کی سہولت کی عدم موجودگی کے باعث بینک اور فنڈ کے لیے موجودہ ڈھانچے میں ترمیم لانا مشکل ہے حالانکہ اس کی ناکامی ثابت ہوچکی ہے۔

آج کل ہمارے ہاں قرض کے بحران کا خاصا شور ہے کیونکہ اکثر قرضہ ۷۰ء کے عشرے میں لیا گیا ہے۔ایک تو یہ قرضہ غیر ذمہ دارانہ طور پر تجارتی بینکوں سے لیا گیا اور دوسری جانب یہ قرضہ بے احتیاطی سے ایسی حکومتوں نے لیا جن کی اکثریت منتخب نہیں تھی اور اب وہ اقتدار میں بھی نہیں رہیں۔ ان قرضوں کے بحران کا آغاز ۸۰ء کے عشرے میں اس وقت شروع ہوا جب دنیا بھر میں ان اشیا کی قیمتیں گر گئیں جو ترقی یافتہ ممالک ادائیگی کی پوزیشن میں نہیں تھے دگرگوں حالات کے باوجود کسی بھی ایسے ملک کے لیے دیوالیہ پن سے تحفظ کا کوئی قانون نہیں۔جب ۱۱ جنوری ۹۲ء میں امریکی محکمہ سٹورمیسز نے دیوالیہ قرار دینے کے لیے درخواست دی تو قرض فراہم کرنے والے ممالک نے اسے فوراً تحفظ فراہم کرتے ہوئے ورکنگ کیپٹل فراہم کر دیا۔ جب انہی دنوں روس نے کہا کہ اس کی حکومت قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تو آئی ایم ایف کو اسے امدادفراہم کرنے میں ایک سال کا عرصہ لگ گیا۔

۸۰ء کے عشرے سے قرضوں کی صورتحال ابتر ہوتی چلی جا رہی ہے اب ترقی پذیر ملکوں کے قرضوں کی کل مالیت ان کی مجموعی جی این پی کا نصف اوران کی سالانہ کل برآمدات کی آمدن سے بھی دوگنی ہوگئی ہے۔اس کمرتوڑ ڈیٹ سروسنگ کے بوجھ کے باعث قرض خواہ ملکوں کے لیے ڈھانچہ جاتی اصلاحات کے حوالے سے سودا بازی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی اورانہیں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی تمام شرائط ماننا پڑتی ہیں۔ چنانچہ SAP پروگرام کے تحت ان کی معیشتیں اس طرح استوار کی جاتی ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ کما کر قرض ادا کرتے رہیں اور جنوب میں ان کے مقامی پروگراموں کی قیمت پر شمال کے قرض خواہ مزید امیر ہوتے چلے جائیں۔

۹۲ء میں عالمی بینک کے ایک داخلی جائزہ سے یہ بات سامنے آئی کہ ایک تہائی سے زائد قرضہ بینک کے اپنے معیار کے مطابق نہیں دیا گیا اور بینک کو انتباہ کیا گیا کہ اندھا دھند قرض منظوری کا رجحان اس کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ بینک حکام نے خود بھی محسوس کیا کہ اس شہادت کے باوجود کہ پرانے قرض غلط منصوبوں پر ضائع ہوئے وہ نئے قرضے جاری کرنے پر مجبور ہیں۔

آئی ایم ایف اور عالمی بینک میں رکن ممالک کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ آف ایگزیکٹو ڈائریکٹرز ووٹنگ کے ذریعے قرض دینے کا فیصلہ کرتا ہے اوراقوام متحدہ میں ہر رکن ملک کا ایک ووٹ ہوتا ہے۔اس کے برعکس عالمی بینک اورآئی ایم ایف میں ووٹنگ پاور رکن ملک کی عطیہ کردہ رقم سے تعین ہوتی ہے۔امریکہ کی ووٹنگ پاور ۱۷ فیصد ہے جبکہ سات بڑے

صنعتی ممالک کے پاس ووٹنگ پاور ۴۵ فیصد ہے۔عطیہ کی نسبت سے امریکہ کو ہمیشہ زور دار آواز ملی اور اس نے ہمیشہ موثر ویٹو پاور استعمال کی۔ اس کے ساتھ ہی ترقی پذیر ملکوں کی ان اداروں میں مقابلتاً اتنی طاقتور آواز نہیں چنانچہ ان اداروں کو کمزور ملکوں کی فنانسنگ، پروگرامنگ اور پالیسیاں طے کرنے میں آزادی ہے جس کے ان معاشروں اور معیشتوں پر نمایاں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ روایات کے تحت عالمی بینک کا صدر امریکی، جبکہ آئی ایم ایف کا صدر یورپی یونین سے ہوتا ہے۔

قرض خواہ ممالک عالمی بینک کی امداد سے جو بھی ترقیاتی منصوبے مرتب کرتے ہیں ان میں خام مال کی خریداری اور مشاورتی خدمات کی شرط ہوتی ہے۔ امریکہ کے محکمہ خزانہ کے حکام کا تخمینہ ہے کہ جو بھی رقم عالمی ترقیاتی بینکوں میں عطیہ کرتا ہے اس کے ہر ڈالر کے بدلے میں امریکی برآمدکنندگان کو بینک کی فنانسنگ سے جاری منصوبوں کے خریداری معاہدوں سے ۲ ڈالر مل جاتے ہیں۔

اس ذاتی مفاد کو مدنظر رکھیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ عالمی بینک ہمیشہ بڑے اور مہنگے منصوبوں کے لیے قرض مہیا کرتا ہے جن کے لیے شمالی ممالک سے خام مال اور تکنیکی معاونت حاصل کرنا پڑتی ہے بینک اس کے برعکس چھوٹے اور مقامی سطح پر مکمل ہونے والے متبادل منصوبوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ عالمی بینک کا ہمیشہ سے یہ مشن رہا ہے کہ غریب ممالک میں غربت کے خاتمہ کے بجائے امریکی ٹھیکیداروں کے لیے کاروبار فراہم کرنا ہے جبکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

عالمی بینک کے منصوبے

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے اس فکر نے پریشان کر رکھا ہے کہ آبادیوں کے حجم اور تقسیم میں واقع ہونے والے فرق کی وجہ سے وہ بالآخر دنیا کی امامت سے معزول ہو جائے گا دنیا بھر کی قیادت داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اثر و رسوخ کے جو بھی ذرائع اور وسائل میسر ہیں اُن سے ایسے اقدامات کیے جائیں جن کا براہ راست اثر زیادہ بار آور معاشروں کے افزائش آبادی کے رجحانات پر ہو۔ فی الواقعی امریکہ نے عالمی بنک پر اپنے اثر و رسوخ کو بہت موثر طور پر استعمال کیا ہے کہ وہ کم ترقی یافتہ ممالک پر غیر مقبول آبادی پالیسیاں ٹھونسے، اور ابھی اس کے اور بہت کچھ کرنے کے ارادے ہیں۔ عالمی بنک نے تحدید آبادی پروگراموں کے لیے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں دس کروڑ ڈالر سالانہ سے کچھ کم رقم مہیا کی تھی۔ اس کا منصوبہ ہے (تھا) کہ ۱۹۹۵ء تک آبادی کے شعبہ کے لیے قرض کی رقم بڑھا کر ڈھائی ارب ڈالر کر دے[۵]

عالمی بنک کی سطح پر قرض کے ضمن میں جابرانہ پالیسیاں کوئی راز کی بات نہیں۔ ورلڈ بنک کی تیار کردہ اور تقسیم کردہ کئی مطبوعات میں یہ صاف کہا گیا ہے کہ نہ ماننے والی اقوام کو آبادیاتی قرضے بہ طور شرط لینے پر مجبور کیا جاتا ہے اگر وہ دوسرے پسندیدہ ترقیاتی قرضے مثلاً عام تعلیم، بجلی، نظام آبپاشی اور زراعت کے لیے بہت ضروری فنڈ لینے کے آرزو مند ہوں۔ جس طرح بیرون ملک فوجی اور اقتصادی امدادی پروگرام کے ضمن میں ہوا، غریب ممالک کے عوام کی نجی زندگیوں میں

---

۵ Statement of the World Bank President Levis Preston, 9 March 1992, at the opening of a World Bank Conference on the Safe Motherhood Project, World Bank auditorium, Washington, D.C.

عالمی بنک کی مداخلت کی راہیں بھی امریکی حکومت کی خفیہ ایجنسیوں نے کھولیں۔ اس کی مثال قومی سلامتی کونسل کی وہ خفیہ یادداشت ہے جس پر صدر رچرڈ نکسن کے قومی سلامتی امور کے لیے معاون ہنری کسنجر کے دستخط ہیں۔ اگست ۱۹۷۰ء کی اس دستاویز نے تحدید آبادی کے سوال کو اٹھا کر کثیر فریقی ایجنڈا کا ایک اہم ترجیحی آئٹم بنا دیا۔[۶]

حکم نامے میں ہدایت تھی کہ: ''امریکہ یہ سفارش کرے کہ اقوام متحدہ کا فنڈ برائے آبادیاتی امور عالمی آبادی کے مسائل اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے طور طریقوں کا مطالعہ کرے۔ دوسرے ترقیاتی عشرہ میں اسے سب سے زیادہ ترجیح ملنی چاہیے۔'' (دستاویز ۱۸ دسمبر ۱۹۸۹ء، کو ڈی کا سیفائی کی گئی)۔

اُسی سال عالمی بنک نے جمیکا کے لیے ۲ ملین ڈالر کا اپنا پہلا تحدید آبادی قرض جاری کیا۔[۷]

چار برس بعد جب قومی سلامتی کونسل نے جنوب میں بڑھتی ہوئی آبادی کے سیاسی اور سلامتی کے متعلق اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ۱۹۷۴ء میں مطالعہ (NSSM200) کرایا تو اس میں یہ سفارش بھی تھی کہ امریکہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں پر اپنا رسوخ استعمال کرے تاکہ امداد وصول کرنے والے ممالک کے لیڈروں کے ضمن (مطلوبہ) سیاسی تبدیلی کا عمل بڑھایا جا سکے مذکورہ مطالعہ میں دلیل یہ دی گئی کہ کثیر فریقی (multilateral) ایجنسیوں کو ملوث رکھا جائے تو اس سے پروگراموں پر عمل درآمد میں امریکی کردار کی پردہ پوشی میں مدد ملے گی۔[۸]

رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ ''یہ بے حد ضروری ہے کہ کم ترقی یافتہ ممالک کی لیڈرشپ میں آمادگی پیدا کرنے اور اسے تقویت دینے کا عمل ایسے انداز سے ہو کہ یہ کسی صنعتی ملک کی پالیسی نظر نہ آئے کہ وہ غریب ملک کو کمزور رکھنا چاہتا ہے یا اس کے وسائل بچانا چاہتا ہے کہ وہ بعد میں 'امیر' ممالک کے کام آئیں۔[۹]

NSSM200 میں یہ نصیحت بھی کی گئی ہے:

> ''عالمی بنک گروپ وہ سب سے بڑا بین الاقوامی مالیاتی ادارہ ہے جو آبادی سے متعلق پروگرام مہیا کر رہا ہے، لیکن بنک کی پالیسی کے تحت مانعات حمل اور خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق دوسری اشیاء کے لیے قرض جاری نہیں کیا جاتا۔ اس سے بنک کی اس صلاحیت پر قدغن لگ جاتی ہے کہ وہ میسر فنڈ سے آبادی سکیموں کی مدد کر سکے۔ فی الوقت ایک اعلیٰ سطحی بیرونی مشاورتی گروپ عالمی بنک کے آبادی سے متعلق پروگراموں کا تجزیہ کر رہا ہے۔ یہ تجزیہ اور اس پر ہمارا جائزہ ایک واضح تصویر سامنے لے آئیں

---

۶ National Security Decision Memorandum 76, 10 August 1970,5

۷ See Steven W. Sinding, Strengthening the Bank's Population Work in the Ninetees, W.B. Population and Human Resource Departmen, WPS 802 (Washington, D.C... 1991),31

۸ National Security Council, Implications of Worldwide Population Growth for U.S. Security and Overseas Interests, NSC Study Memorandum 200, 10 December 1974, 106, 113-114, 149

۹ Ibid

گے کہ آبادی کے شعبہ میں کام کے ضمن میں عالمی بنک کے کردار اور سرگرمیوں میں کیا مزید بہتری پیدا کی جاسکتی ہے۔۱۰

یہ 'بیرونی جائزہ' جس کا ذکر یادداشت میں ہے' اواخر ۱۹۷۵ء میں شروع کیا گیا تھا۔ یہ تقریباً وہی دن تھے جب 'سی آئی اے' اور قومی سلامتی کونسل کے مشترکہ پالیسی مطالعہ (NSSM200) کو وائٹ ہاؤس نے منظور کرلیا تھا اور اسے امریکی خارجہ پالیسی کا سرکاری آلہ بنادیا تھا۔ ۱۳۹ جس کی تکمیل اگست ۱۹۷۶ء میں ہوئی۔ تنقیدی جائز کے لیے جو ارکان (panelists) یکجا کیے گئے اُن میں ڈاکٹر فریڈ سائی بھی تھے۔ یہ وہی 'مشیر' ہیں جنہوں نے 'بے ٹیل ہیومن افیئر زریسرچ سنٹرز' کے آبادی سے متعلق پالیسی تحقیقی منصوبے میں حصہ لیا تھا، اور جنہیں بعد میں عالمی بنک کے اندر 'سنیئر پاپولیشن ایڈوائزر' کا عہدہ دیا گیا۔۱۱

دوسری باتوں کے علاوہ جائزہ کمیٹی نے یہ سفارش بھی کی کہ عالمی بنک امداددہندگان کے ساتھ (قرض لینے والوں کے ساتھ نہیں) 'زیادہ قابل اطمینان تعلقات' قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس میں زور دیا گیا تھا کہ ''بنک کی اقتصادی رپورٹوں میں آبادی سے متعلق معاملات زیادہ بڑے پیمانے اور مستقل بنیادوں پر شامل ہوں، بالخصوص جن کا تعلق اہم ممالک سے ہو، اور ...... (بنک) اہم ممالک میں آبادیاتی پالیسی یونٹوں (شعبہ جات) کے ساتھ باہمی تعاون کے لیے آگے بڑھے۔''۱۲

پینل نے یہ دلیل بھی دی کہ عالمی بنک کی آبادی سرگرمیوں کے تحت اُس وقت تک نسبتاً بہت تھوڑا موقع میسر تھا کہ کم ترقی یافتہ ممالک پر مغرب کی دی ہوئی پالیسیاں لاگو کی جاسکیں۔ لہٰذا بنک پالیسی میں عمومی جائزے اور درستی کی تجویز دی گئی تاکہ تحدید آبادی سکیموں میں زیادہ سیاسی اور مالی مداخلت کی صورت پیدا ہو۔۱۳

امریکہ عالمی بنک میں جس آسانی سے راہ پالیتا ہے یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ جب سے ۱۹۴۴ء میں 'برٹین ووڈ' کانفرنس کے موقع پر بنک تشکیل دیا گیا ہے امریکہ نے اس کے معاملات سے باخبر رہنے اور اُن پر اثر انداز ہونے کے لیے ایک خصوصی دفتر قائم کیا ہے۔ یہ شعبہ ''دی نیشنل ایڈوائزری کونسل آن انٹرنیشنل مانیٹری اینڈ فائیننشل پالیسیز'' (جسے اندرونِ

۱۰ U.S. International Population Policy, Interagency Task Force on Population Policy, First Annual Report. May 1976, 11

۱۱۔ NSSM200 میں شامل سفارشات امریکی خارجہ پالیسی کے رہنما اصولوں کے طور پر باقاعدہ قومی سلامتی کونسل کے ایک دوسرے ہدایت نامے NSDM-314 کے تحت اختیار کی گئیں جس پر صدر جیرالڈ فورڈ کی جانب سے قومی سلامتی کونسل کے مشیر برینٹ سکوکرافٹ نے ۲۶ نومبر ۱۹۷۵ء کو دستخط کیے۔

۱۲۔ ''بیرونی مشاورتی پینل برائے آبادی'' میں پانچ اصحاب شامل تھے: (i) برنارڈ بیریلسن جو پاپولیشن کونسل نیویارک میں صدر امریٹس اور سنیئر فیلو تھے، پینل کے چیئرمین تھے، دوسرے شرکاء تھے ڈاکٹر فریڈرک ٹی سائی تب انٹرنیشنل پلینڈ پیرنٹ ہوڈ فیڈریشن لندن کے اسسٹنٹ سیکرٹری، جنرل، اے چندراشیکھر وزارت صحت وخاندانی منصوبہ بندی بھارت، گورن اوہلین یونیورسٹی آف اُپسلا میں اقتصادیات کے پروفیسر، اور رونالڈ فریڈمین پاپولیشن اسٹڈیز سنٹر مشی گن یونیورسٹی میں سوشیالوجی کے پروفیسر۔

۱۳ External Advisory Panel on Population, Report.1976.51-56

خانہ'ذی ناک' یاNAC کہتے ہیں) امریکی وزارت خزانہ (Treasury) کا حصہ ہے۔اسے یہ کام تفویض ہوا کہ اس بات کو یقینی بنائے کہ عالمی بنک،آئی ایم ایف اور علاقائی ترقیاتی بنکوں میں امریکی سرمایہ کاری ''وہ تعاون مہیا کرے جو اتنی سطح تک کبھی نہ گرے کہ جہاں امریکی اثر وسوخ امریکی مفادات کو بڑھانے اور اُن کا دفاع کرنے کے لیے ناکافی ثابت ہو''،جس کی وضاحت جنرل اکاؤنٹنگ آفس کے ۱۹۷۸ء کے ایک مطالعہ میں کی گئی ہے۔[۱۴]

چونکہ محکمہ خزانہ سے تعلق تکنیکی طور پر پسندیدہ اطلاع نہیں، اس لیے کے متعلق سرکاری عالمی مالیاتی فنڈ جسے عام طور پر آئی ایم ایف کے نام سے جانا جاتا ہے کا قیام ۱۹۴۴ء میں Bretton Woods نیوہیمپشائر میں منعقد ایک کانفرنس کے دوران عمل میں آیا۔اس وقت اس کا ہیڈ کواٹر امریکہ کے شہر واشنگٹن ڈی سی میں ہے۔آئی ایم ایف کے قیام کا بنیادی فلسفہ جن بنیادوں پر استوار کیا گیا ان میں سب سے پہلی بنیاد عالمی معاشی تعاون کو فروغ دینے کے لیے ایک ایسے ادارے کو عملی شکل میں بروئے کار لانا تھا جس کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے والے ممالک اس سے حاصل کیے جانے والے قلیل المدتی اور طویل المدتی قرضوں کو دیگر ممالک کے ساتھ اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے استعمال کر سکیں۔۱۹۸۰ء میں آئی ایم ایف دنیا کے سامنے مقروض ممالک کو مالی مشکلات سے نجات دلانے والا ایسا ادارہ بن کر ابھرا جس نے انہیں بعض مخصوص شرائط (جنہیں عام طور پر ڈھانچہ جاتی اصلاحات Structural Development Policies کہا جاتا ہے) کے تحت بھاری قرضوں کا اجرا کر دیا۔نتیجے کے طور پر اس وقت آئی ایم ایف عالمی سطح پر ایک ایسی (Loan Shark) کی حیثیت حاصل کر چکا ہے جسے دنیا کے تقریبا ۶۰ ممالک کی معیشت پر مکمل گرفت حاصل ہے اور یہ ممالک عالمی مالیاتی فنڈ کے احکامات ومطالبات کی روشنی میں اپنی پالیسیاں مرتب کرتے ہیں تاکہ انہیں قرضوں اور عالمی امداد کی فراہمی کا تسلسل برقرار رہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ آئی ایم ایف سے قرضے لینے والے ممالک ان قرضوں کو اپنی مرضی سے استعمال کرنے کا استحقاق بھی کھو چکے ہیں اور اب آئی ایم ایف ہی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ جو رقم دی جارہی ہے اس کا کتنا حصہ یہ ممالک اپنے کس شعبے میں خرچ کر سکتے ہیں۔خاص طور پر تعلیم،حفظان صحت اور ماحولیاتی تحفظ کے لیے خرچ کی جانے والی رقوم کے حجم کا تعین آئی ایم ایف کرتا ہے نہ کہ قرضہ لینے والا ملک۔گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آئی ایم ایف اس وقت زمین پر طاقتور ترین ادارے کی حیثیت رکھتا ہے۔

آئی ایم ایف کا طریق کار

آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کس طرح اپنا کام کرتا ہے اور اس کے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ہم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ یا کرنی چاہیے۔

آئی ایم ایف نے ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO)اور عالمی بینک (World Bank)کے گٹھ جوڑ سے عالمی معیشت کو ایسے راستے پر گامزن کر دیا ہے جس کے بڑے بڑے خصائص میں شدید سطح کی عدم مساوات اور ماحولیاتی تباہی شامل

---

۱۴ General Accounting Offce, Multilateral and Bilateral for Developing Foreign Mineral Projects, doc. no. ID-78-50,15 August 1978, 1.

ہیں۔ آئی ایم ایف اور عالمی بینک کی Structural Development Policies مقروض ممالک کو قرضوں کی ادائیگی کے لیے تعلیم اور صحت جیسی بنیادی ضروریات کی خاطر مختص بجٹ میں کمی، خوراک اور ٹرانسپورٹیشن جیسے اہم شعبوں میں دی جانے والی سبسڈیز کے خاتمے، کرنسی کی قدر میں کمی کے ذریعے اپنی برآمدات کو سستا کرنے، قومی اثاثوں کی فروخت، ملازمین کے معاوضوں کو منجمد کرنے جیسے اقدامات کرنے پر مجبور کرتی ہے جن کا لازمی نتیجہ غربت میں اضافہ اور معیشت کی ترقی کے اقدامات پر قدغن کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس طرح کثیر القومی کمپنیوں کو مزدوروں کے استحصال کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ارجنٹائن کو حال ہی میں دیا جانے والا قرضہ بہترین مثال ہے جس کے پیکج میں ارجنٹائن کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ملک میں ڈاکٹرز اور ٹیچرز کی تنخواہوں میں کمی کرنے کے ساتھ ساتھ سوشل سکیورٹی کے لیے مختص رقم کو بھی کم کرے۔

جمہوری تقاضوں کے برعکس آئی ایم ایف کی پالیسی سازی میں ایک ملک ایک ووٹ کے نظریے پر عمل کرنے کی بجائے اس ادارے میں ووٹوں کی تعداد کو ممبر ممالک کی طرف سے آئی ایم ایف کوٹہ سسٹم میں ایک ڈالر ایک ووٹ کے تحت جمع کرائی جانے والی رقم کے حجم سے مشروط کیا گیا ہے۔ یعنی جتنی زیادہ رقم کوئی ملک کوٹہ سسٹم کے تحت جمع کرائے وہ پالیسی سازی کے لیے ووٹنگ پر اتنا ہی اثر انداز ہوسکتا ہے۔ اس وقت امریکہ 18 فیصد کوٹے کے ساتھ آئی ایم ایف کے حصص یافتگان میں سب سے زیادہ نمایاں ہے جبکہ جرمنی' فرانس' جاپان' برطانیہ اور امریکہ کو 38 فیصد کوٹہ کے ساتھ مشترکہ کنٹرول بھی حاصل ہے۔ ان ممالک کی طرف سے اختیارات (Powers) کے غیر متناسب کنٹرول کا مطلب یہ ہے کہ بینکاروں' سرمایہ کاروں اور صنعتی ممالک کی کارپوریشنوں کے مفادات کو دنیا کی غریب اکثریت کے مفادات پر فوقیت حاصل ہے۔

صنعتی ممالک کے تاریخی کردار کے برعکس آئی ایم ایف پر مسلط طاقتور ممبر ممالک کی ترجیحات میں سرفہرست برآمدی فصلوں کی پیداوار ہے نہ کہ معاشی ابتری کے شکار ممالک کی معیشتوں کا سدھار۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت غذائی کمی کے شکار 80 فیصد بچوں کا تعلق ان ممالک سے ہے جن کے کاشتکاروں کو مقامی غذائی ضروریات کے لیے درکار فصلوں کی پیداوار کے حصول کی بجائے برآمدی مقاصد کے لیے استعمال ہونے والی فصلوں کی کاشت کے راستے پر گامزن کردیا گیا ہے۔ جبکہ آئی ایم ایف نے مقامی صنعتوں کو دی جانے والی مراعات کے خاتمہ اور کثیر القومی کارپوریشنز کے لیے فوائد کی پالیسی کو جنم دیا ہے۔ جیسا کہ Labor cost میں کمی۔ جس کے نتیجے میں چھوٹے کاروباری اور کسان مقابلے سے نکل گئے ہیں۔ عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے قائم کردہ فری ٹریڈ زونز میں قائم اداروں کے مزدور معاوضوں میں انتہائی کمی کے باعث معاشی طور پر اتنے بدحال ہیں کہ ان کے لیے اپنے خاندانوں کو بنیادی ضروریات فراہم کرنا مشکل ہوگیا ہے گویا جن حکومتوں نے آئی ایم ایف کے مشروط قرض حاصل کر رکھے ہیں ان میں غربت کی شرح دعوؤں کے برعکس کم ہونے کی بجائے بڑھ رہی ہے۔

آئی ایم ایف (Taxpayer Money Funded) ادارہ ہونے کے باوجود انتہائی خفیہ طریقے سے اپنے معاملات چلا رہا ہے۔ اس کی پالیسیوں سے متاثرہ ممالک کے عوام یا اداروں کو اس کے قرضوں کے پیکج کی تشکیل میں کوئی

کردار حاصل نہیں ہے۔اس کے معاملات چند مخصوص بنکاروں اور فنانس منسٹرز (Finance Ministers) کا گروہ چلاتا ہے اور ایسی پالیسیاں تشکیل دی جاتی ہیں جن میں کسی حکومت یا اس کے اداروں خاص طور پر تعلیم، صحت اور ماحولیات کے شعبوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ پالیسیوں کی عوامی جانچ پرکھ اور آزادانہ تجزیوں کی مزاحمت کی جاتی ہے۔

آئی ایم ایف کی مخصوص پالیسیوں کے نتیجہ میں ممالک اپنی برآمدات کو بڑھانے کے لیے برآمدی صنعت کو ٹیکسوں میں چھوٹ اور دیگر مراعات (Subsidies) دیتی ہیں جبکہ عوامی اثاثوں مثلاً جنگلات اور ضروریات خدمات کے حکومتی اداروں جیسا کہ فون، پانی اور بجلی کے شعبہ جات کو اونے پونے داموں غیر ملکی کمپنیوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔

آئی ایم ایف اور عالمی بینک غیر ملکی سرمایہ کاری کے حصول کے لیے ملکوں کو مسلسل اس بات پر اُکساتے ہیں کہ وہ ایسے اقدامات کریں جن سے لیبر قوانین کی افادیت برقرار نہ رہے، اجتماعی سودا کاری قوانین کا تصور معدوم ہو اور مزدوروں کو کم معاوضے دینے پڑیں۔آئی ایم ایف کا (Labor Flexibility) کا تصور کارپوریشنز کو اپنا کاروبار وہاں منتقل کرنے کی اجازت دیتا ہے جہاں سستی لیبر دستیاب ہو۔ ۱۹۹۵ء کی اقوام متحدہ کی Trade and Development Report میں انکشاف کیا گیا ہے کہ سرمایہ کار (Labor Flexibility) کے تصور کو روزگار کے مواقع ترقی دینے کے بجائے ورکرز کی چھانٹی کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

آئی ایم ایف کے (Structural Adjustment Policies) کے سب سے بُرے اثرات ترقی پذیر ممالک کی خواتین پر مرتب ہوئے ہیں ان پالیسیوں کے نتیجے میں خواتین کا اپنے خاندانوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا مشکل ہوگیا، تعلیم وصحت کے شعبے میں پیدا ہونے والی مہنگائی نے سب سے زیادہ خواتین کی تعلیم اور صحت کو نقصان پہنچایا ہے اور ان ممالک کی خواتین خاندان کی کم آمدنی کے باعث نہ تو وہ مطلوبہ تعلیمی مدارج طے کرسکتی ہیں جو ان کی معاشرتی و معاشی ترقی کے لیے درکار ہیں اور نہ ہی صحت کی مہنگی سہولیات تک ان کی رسائی ممکن رہتی ہے، حالانکہ خواتین کے لیے صحت کی سہولیات سے مستفید ہونا ایک ناگزیر تقاضا ہے۔اسی طرح ایکسپورٹ ایگریکلچر کے فروغ نے بھی خاندان کی غذائی ضروریات کی تکمیل کے حوالے سے جہاں خواتین کو مشکلات کا شکار بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے وہیں حکومت کی طرف سے ملازمین کے تحفظ کے لیے موجودہ قوانین کے خاتمے یا انہیں غیر مؤثر بنانے کے نتیجے میں ملازمت پیشہ خواتین کے ہمہ قسم کے استحصال میں اضافہ ہوا ہے۔

صنعتی ممالک کے تاریخی کردار کے برعکس آئی ایم ایف پر مسلط طاقت ور ممبر ممالک کی ترجیحات میں سرفہرست برآمدی فصلوں کی پیداوار ہے نہ کہ معاشی ابتری کے شکار ممالک کی معیشتوں کا سدھار یہی وجہ ہے کہ اس وقت غذائی کمی کے شکار ۸۰ فیصد بچوں کا تعلق ان ممالک سے ہے جن کے کاشتکاروں کو مقامی غذائی ضروریات کے لیے درکار فصلوں کی پیداوار کے حصول کی بجائے برآمدی مقاصد کے لیے استعمال ہونے والی فصلوں کی کاشت کے راستے پر گامزن کر دیا گیا ہے۔جبکہ آئی ایم ایف نے مقامی صنعتوں کو دی جانے والی مراعات کے خاتمہ اور کثیر القومی کارپوریشنز کے لیے فوائد کی پالیسی کو جنم دیا ہے جیسا کہ Labor Cost میں کمی جسکے نتیجے میں چھوٹے کاروباری اور کسان مقابلے سے نکل گئے ہیں عالمی بینک اور آئی

ایم ایف کے قائم کردہ فری ٹریڈز ونز میں قائم اداروں کے مزدور معاوضوں میں انتہائی کمی کے باعث معاشی طور پر اتنے بد حال ہیں کہ ان کے لیے اپنے خاندانوں کو بنیادی ضروریات فراہم کرنا مشکل ہو گیا ہے گویا جن حکومتوں نے آئی ایم ایف کے مشروط قرض حاصل کر رکھے ہیں ان میں غربت کی شرح دعوؤں کے برعکس کم ہونے کی بجائے بڑھ رہی ہے۔

آئی ایم ایف (Taxpayer Money Funded)ادارہ ہونے کے باوجود انتہائی خفیہ طریقے سے اپنے معاملات چلا رہا ہے اس کی پالیسیوں سے متاثرہ ممالک کے عوام یا اداروں کو اس کے قرضوں کے پیکج کی تشکیل میں کوئی کردار حاصل ہے اس کے معاملات چند مخصوص بنکاروں اور فنانس منسٹرز(Finance Ministers) کا گروہ چلاتا ہے اور ایسی پالیسیاں تشکیل دی جاتی ہیں جن میں کسی حکومت یا اس کے اداروں خاص طور پر تعلیم، صحت اور ماحولیات کے شعبوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ پالیسیوں کی عوامی جانچ پرکھ اور آزادانہ تجزیوں کی مزاحمت ہوتی ہے۔

آئی ایم ایف کی مخصوص پالیسیوں کے نتیجہ میں ممالک اپنی برآمدات کو بڑھانے کے لیے برآمدی صنعت کو ٹیکسوں میں چھوٹ اور دیگر مراعات (Subsidies) دیتی ہیں جبکہ عوامی اثاثوں مثلاً جنگلات اور ضروری خدمات کے حکومتی اداروں جیسا کہ فون، پانی اور بجلی کے شعبہ جات کو اونے پونے داموں غیر ملکی کمپنیوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔

ورلڈ سوشل فورم، پلیٹ فارم

اس وقت دنیا میں موجود مختلف سماجی تحریکوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے لیے تاریخ میں جو سب سے اہم اور دلچسپ کوشش کی گئی وہ ورلڈ سوشل فورم کا قیام ہے۔ اس سلسلے میں WSF کا پہلا اجلاس برازیل کے شہر پورٹو الیگرے میں ۲۰۰۱ء میں ہوا اور مسلسل تین سال تک WSF کے سالانہ اجلاس اسی شہر میں منعقد ہوئے۔ پھر ۲۰۰۴ء میں ورلڈ سوشل فارم بھارت کے شہر بمبئی میں ہوا۔ جس میں دنیا بھر سے سیکڑوں تنظیموں کے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ اسی طرح کا اجلاس ۲۰۰۶ء میں کراچی میں ہوا۔

ورلڈ سوشل فورم کا سب سے مشہور نعرہ ہے ''ایک نئی دنیا ممکن'' اس نعرے نے جو دراصل مارگریٹ تھیچر کے اس نعرے کا جواب تھا ''کوئی متبادل نہیں'' دنیا بھر کی ترقی پسند قوتوں کو ایک نیا جوش اور ولولہ عطا کیا۔ لیکن پچھلے پانچ سال سے ہر سوشل فورم میں یہی نعرہ لگایا جا رہا ہے جس سے مختلف ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ نئی دنیا کیسی ہوگی؟ اس کے خدو خال کیا ہوں گے؟ جس نے ایک نئی بحث کو جنم دیا اور مختلف لوگوں کی طرف سے مختلف جوابات خیالات اور آراء کا اظہار کیا گیا لیکن کوئی ہم آہنگ خیال ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ گفتگو دو بنیادی اور واضع نکات کے گرد گھومنا شروع ہوگئی ہے۔

پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ طے پائے گئے اصول و اقدار کے مطابق ورلڈ سوشل فورم سیاسی، سماجی اور ٹریڈ یونین قوتوں کا ایک ایسا مشترکہ پلیٹ فارم ہے جو دنیا بھر میں موجود مختلف سماجی تنظیموں اور تحریکوں کو سال میں ایک دفعہ ایک جگہ اکٹھا ہونے اور اپنے اپنے نظریات اور انداز فکر کو دوسروں تک پہنچانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جبکہ دوسرا نقطہ نظر کہتا ہے ورلڈ سوشل فورم دراصل مختلف سماجی تحریکوں پر مشتمل ایک تحریک (Movement of Movements) ہے جو سرمایہ دارانہ عالمگیریت کے

جواب میں مستقبل میں اس سے پنجہ آزما ہونے جا رہی ہے۔ پہلے نقطہ نظر کے سب سے بڑے حامی چیکو وائیٹکر ہیں جو ورلڈ سوشل فورم کے Founding Fathers میں شمار ہوتے ہیں۔ چیکو کے نزدیک ورلڈ سوشل فورم خود کوئی ادارہ یا تنظیم نہیں۔ جس کے ایماء پر کوئی بیان یا ڈیکلریشن جاری کیا جا سکے۔ WSF کے آرٹیکل ۹ کے مطابق ورلڈ سوشل فورم خود کسی سیاسی یا سماجی مسئلے پر کوئی رائے زنی نہیں کر سکتا ہاں البتہ اس میں شامل تنظیمیں اور تحریکیں انفرادی حیثیت میں اپنے اعلامیے جاری کر سکتی ہیں۔لیکن وہ WSF کی نمائندگی نہیں سمجھی جائے گی چیکو کے خیال میں WSF کا کوئی مشترکہ اعلامیہ اس لیے بھی ممکن نہیں کہ فورم میں شامل مختلف تنظیمیں اور تحریکیں مختلف ایشوز پر مختلف نقطہ نظر رکھتی ہیں۔ لہٰذا وہ کسی ایک نقطے پر جمع نہیں ہو سکتی ایک دوسری اہم بات یہ کہ ایسے اعلامیے جاری کرنے سے اس بات کا خدشہ موجود ہوتا ہے کہ میڈیا اسے WSF کے مجموعی خیالات کا عکاس نہ سمجھ لے۔

جبکہ دوسری طرف WSF کو تحریکوں پر مشتمل تحریک قرار دینے والے دوستوں کا خیال ہے کہ WSF کو ایک خالصتاً سیاسی تحریک میں ڈھالنا چاہیے لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ ایک بہتر سماج کی تعمیر کے لیے Action Strategy ناگزیر ہے جو سرمایہ دارانہ اور عوام دشمن گلوبلائزیشن کا موثر جواب دے سکے۔

2003ء میں ممبئی میں ہونے والے ورلڈ سوشل فورم کا مجموعی رنگ زیادہ عوامی، سیاسی اور تحریکی تھا جو سامراجی طاقتوں کے لیے سیاٹل کے بعد ایک بڑی وانگ تھی اور کچھ دوستوں کے خیال میں شاید 2005ء میں WSF کا بورٹو الیگرے میں واپس لے جانا اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ دوسرا نقطہ نظر رکھنے والوں میں جارج مونبٹ George Monbiot جانے مانے سماجی کارکن اور معروف صحافی ہیں عالمی پیمانے پر پیش پیش ہیں جارج کا خیال ہے کہ آخر اتنی بڑی سرگرمی کا کوئی واضح مقصد ضرور ہونا چاہئے۔ محض کسی ایک جگہ ہر سال ایک دفعہ جمع ہونا بے معنی ہے۔

دنیا کے مختلف خطوں سے مختلف تنظیمیں اور تحریکیں ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دوسرے سے خیالات کا تبادلہ کرتی ہیں اور بیشتر سماجی اور سیاسی ایشوز پر کسی خاص درجے پر ہم آہنگ بھی ہوتی ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ WSF میں موجود اس کثیر الجہتی کو ایک مجموعی اور واضح سیاسی ادارے میں بدل دیا جائے جو ایک نئی دنیا کی تعمیر کے امکان کی عملی شکل کے لیے ایک مربوط عالمی عوامی جدوجہد کرے۔ ۱۵

جارج کا خیال ہے کہ WSF کے اصول واقدار کی خلاف ورزی کے بغیر سیاسی خاموشی سے پرہیز کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ WSF کی آرگنائزنگ کمیٹی خود پر عائد کردہ پابندیاں بے شک ختم نہ کرے اور خود کوئی سیاسی اعلامیہ جاری کرنے کی بجائے ان تنظیموں اور تحریکوں کو Facilitate کرے جو WSF کے موقع پر سیاسی اور سماجی اعلامیے جاری کرنا چاہتی ہیں۔ اور اگر وہ کوئی مشترکہ سیاسی اعلامیہ جاری کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو عالمی سطح پر اس کا اثر بہت طاقتور ہو سکتا ہے اب تک ہونے والے WSF کے مواقع پر مختلف تنظیموں کی طرف سے جاری کئے گئے اعلامیے کوئی خاطر خواہ توجہ حاصل نہیں کر سکے جس کی بنیادی وجہ ان کا مشترکہ کی بجائے انفرادی حیثیت میں جاری ہونا تھا۔

اس بحث کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ WSF کے عمل میں شامل غیر سرکاری سماجی تنظیموں

۱۵۔ کشور ناہید، تدوین کار، سیاسی جماعتوں کے کارکنان کے لیے ہدایات، پتن آرگنائزیشن اسلام آباد

اور تحریکوں میں فرق کو بھی سمجھا جائے۔ این جی اوز کی نسبت وہ تنظیمیں جو اپنے آپ کو تحریکیں کہتی ہی ڈیکلریشن اور بیانات جاری کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتی نظر آتی ہیں اور یہ صورتحال WSF کی ماضی میں ہونے والی مختلف میٹنگز میں بھی سامنے آچکی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ورلڈ سوشل فورم ایک سول سوسائٹی event ہے اور اس چیز پر کافی بحث ہوچکی ہے کہ سول سوسائٹی کی تعریف کیا ہے اور اس کی limits کیا ہیں؟ کون اندر ہے اور کون باہر ہے؟ دراصل ورلڈ سوشل فورم کا قیام ورلڈ اکنامک 2004ء میں ممبئی میں ورلڈ سوشل فورم ہوا تو ''ممبئی مزاحمت'' کے نام سے ایک فرنٹ قائم ہوا جو اپنے آپ کو اصلی سامراج مخالف کہتے ہیں نے اس فرنٹ نے ممبئی WSF کی مخالفت کرتے ہوئے Counter event کا انعقاد کیا ان کا WSF پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ یہ WSF جو ایک Open Space ہے لیکن اس کے اصول اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہر طرح کی جدوجہد کرنے والی تحریکیں اس میں شامل ہوں۔ اس سلسلے میں WSF کے آرٹیکل 9 کا حوالہ دیا جاتا ہے جس کے مطابق سیاسی جماعتیں اور فوجی تنظیمیں اس کا حصہ نہیں بن سکتی۔ لیکن چونکہ ممبئی سوشل فورم میں بھارت کی دو بڑی کیمونسٹ پارٹیاں پیش پیش تھیں۔ لہٰذا آرٹیکل 9 کی وجہ سے ایک Confuion بھی رہا۔ لیکن 2003ء میں WSF کا حصہ نہیں بن سکتیں لیکن وہ غیر رسمی طر پر اس میں شامل ہوسکتی ہیں۔ اس طرح کی صورتحال WSF کے آغاز میں بھی پیدا ہوئی جب ورکرز پارٹی آف برازیل WSF کا حصہ بنی اور اس نے WSF کے پروسس میں بہت بڑا کردار ادا کیا۔

اس طرح جب 2005ء کے WSF میں وینز ویلا کے صدر ہوگر شاویز نے شرکت کی تو شرکاء میں بہت جوش و خروش دیکھنے میں آیا اور وہ لوگ جو WSF میں ورکرز پارٹی آف برازیل کی شمولیت پر تحفظات رکھتے تھے وہ بھی خوش نظر آئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ WSF کے آرٹیکل 9 اور سول سوسائٹی پر نقطۂ نظر میں مکمل وضاحت موجود نہیں۔

اس وقت WSF کو جو سب سے بڑا چیلنج درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف یہ سوچ موجود ہے کہ سیاسی جماعتوں کی طرف سے ریاستی طاقت کے حصول کے لیے روایتی سیاسی طریقہ کار ایک نئی دنیا کے امکان کے حصول میں ناکافی ہے۔ جبکہ دوسری طرف دنیا بھر کے تحریکی اور سماجی کارکنوں میں ''سیاسی شعور سے عاری سول سوسائٹی'' کے مروجہ نقطہ نظر پر مایوسی بڑھ رہی ہے۔ وہ سوچ رہے ہیں کہ 21ویں صدی میں سیاسی کیسے ہوا جاسکتا ہے۔ کیا عالمی سطح پر روایتی سیاسی جماعتوں کو پیدا اور بڑھنے میں مدد دی جائے یا کہ سیاسی اور دانشورانہ بنیادوں پر نئے امکانات کو تلاش کرتے ہوئے عالمی سطح پر سیاسی جماعتوں کی طرز پر بین الاقوامی تنظیمیں بنائی جائیں۔ اس سلسلے میں ایک تجویز جارج منبٹ نے 2002ء میں پیش کی کہ WSF کے عمل کو ایک ''جلاوطن عالمی پارلیمنٹ'' کی تعمیر کے عمل کا حصہ بنایا جائے۔ لیکن کچھ دوستوں کے خیال میں WSF خود ایک ایسا پلیٹ فارم نہیں جہاں Officially اور باقاعدہ سے ایسی کسی تجویز کو زیر بحث لایا جائے۔ اس کی قانونی حیثیت پر بات کرنا تو دور کی بات ہے۔ WSF میں موجود دوسری سوچ کے مطابق۔ ورلڈ سوشل فورم ایک ڈھیلی ڈھالی پارٹی آف Opinion ہے کیونکہ ہم سب نیولبرل ایجنڈے۔ ایمپرئلزم اور تشدد کی تمام قسموں کی مخالفت میں اکٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایک نئی دنیا ممکن ہے لیکن ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں WSF کوئی باقاعدہ سیاسی پروگرام رکھتا ہے۔ ایکشن میں حصہ لینا چاہتا ہے یا ریاستی قوت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا WSF محض گفتگو اجلاس اور سیمینار کرنے کے لیے پلیٹ فارم

فراہم کرنے کے علاوہ بھی کوئی ایسا مضبوط کردار ادا کرسکتا ہے۔ جو سماجی شعور کو سیاسی شعور میں بدل کر ایک بڑی تحریک کی بنیاد ڈالے جو نئی دنیا کے امکان کو حقیقت میں تبدیل کردے۔ مستقبل میں WSF کے کیسے خدوخال بنتے ہیں کیا یہ بڑے عالمی ادارے کی شکل میں اپنے آپ کو ڈھالتا ہے یا محض ایک پلیٹ فارم کی حیثیت تک محدود رہتا ہے۔ فی الحال اس بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے تاہم بحث جاری رہنی چاہئے۔

ورلڈ سوشل فورم کے اصول و اقدار کا چارٹر

☆ ورلڈ سوشل فورم سوچ بچار، بحث ومباحثے اور مکالمہ کے لیے ایک کھلا فورم ہے جہاں تجربات، خیالات اور تصورات کا تبادلہ ہوسکتا ہے، ساتھ ہی ان تنظیموں اور تحریکوں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے جو سامراجی گلوبلائزیشن اور سرمایہ دارانہ غلبہ کے خلاف آواز اٹھا رہی ہیں اور ایک پرامن اور خوشحال انسانی برادری تشکیل دینے کی خواہاں ہیں۔

☆ سوشل فورم ابتداء میں ایک محدود سرگرمی کے طور پر شروع کیا گیا تھا۔ لیکن ''ایک نئی دنیا ممکن ہے'' کے نعرے کے ساتھ ایک ایسی جدوجہد کا روپ دھار چکا ہے جو تمام دنیا کے سیاسی اور سماجی کارکنوں کو متبادلات کی تلاش کے لیے متحد کرے گا۔

☆ ورلڈ سوشل فورم ایک عالمی سرگرمی ہے اور مقامی سطح پر ہونے والی ہر سرگرمی اس عالمی تحریک کا حصہ تصور ہوگی۔

☆ ورلڈ سوشل فورم میں جس نئی دنیا کا خواب دیکھا گیا ہے وہ اس دنیا سے یکسر مختلف ہوگی جس کی بنیاد آج کثیر قومی کارپوریشنوں، قومی حکومتوں اور عالمی مالیاتی اداروں کی مدد سے دنیا بھر کے ممالک پر حکومت کر رہی ہیں۔ یہ دنیا تمام انسانوں کو مساوی احترام دے گی اور ایسے عالمی جمہوری ادارے تشکیل دے گی جو سماجی انصاف، برابری اور آزادی کے لیے کام کریں گے۔

☆ ورلڈ سوشل فورم اگرچہ دنیا بھر کی سول سوسائٹی تنظیموں کا اجتماع ہے لیکن اس کے باوجود یہ فورم دنیا بھر میں ہونے والی جدوجہد اور تحریکوں کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کرتا۔

☆ ورلڈ سوشل فورم کسی ٹھوس ڈھانچہ پر مشتمل پلیٹ فارم نہیں ہے، لہٰذا کوئی علاقائی فورم یا تنظیم ورلڈ سوشل فورم میں شامل ہو کر دیگر تنظیموں، تحریکوں یا نظریات کی نمائندگی کی دعوے دار نہیں ہوسکتی، اسی طرح ورلڈ سوشل فورم ایک عالمی ڈھانچہ کے طور پر فیصلے کرنے یا حکمت عملی مرتب کرنے کا مجاز نہیں۔

☆ ورلڈ سوشل فورم کسی بھی حوالے سے اختیارات کو مرکوز نہیں کرتا۔ ورلڈ سوشل فورم یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ وہ دنیا بھر کی سول سوسائٹی کا واحد نمائندہ پلیٹ فارم ہے۔

☆ ورلڈ سوشل فورم میں شامل تنظیموں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے اعلامیوں، فیصلوں اور اصولوں سے اختلاف رائے کا اظہار کریں۔ ورلڈ سوشل فورم اپنے فیصلوں کو ان تمام تنظیموں اور تحریکوں تک پہنچانے کی کوشش کرے گا جو اس میں شریک ہوں گی اور ان فیصلوں پر ان تنظیموں کے ہر قسم کے ردعمل اور رائے کو تسلیم کرے گا۔

☆ ورلڈ سوشل فورم متنوع معاشروں اور ثقافتوں میں جنم لینے والے ردعمل کو ایک عالمی پلیٹ فارم مہیا کرنے کا نام ہے

جو غیر سرکاری اور غیر جماعتی بنیادوں پر اظہار خیال کرتا ہے۔ یہ ایک غیر مرکوز ادارہ ہے جو مقامی تنظیموں اور تحریکوں میں رابطے اور تحریک پیدا کرتا ہے۔

☆ ورلڈ سوشل فورم نسلی، لسانی، ثقافتی، صنفی اور علاقائی اعتبار سے ہمیشہ تنوع کا پرچار کرے گا۔ کسی ایک نظریہ، نسل، قوم یا علاقے کے نمائندگان اس فورم کا مطمع نظر نہیں کوئی بھی فرد یا تنظیم جو ورلڈ سوشل فورم کے اصولوں اور ضوابط سے اتفاق کرتی ہو، اس کا حصہ بن سکتی ہے۔ اس فورم میں سیاسی پارٹیوں اور حکومتی اداروں کے لوگ شامل نہیں ہوں گے۔ تاہم فورم کے اصولوں سے اتفاق کرنے والے سرکاری ملازمین اور سیاسی کارکن انفرادی حیثیت میں اس کا حصہ بن سکتے ہیں۔

☆ ورلڈ سوشل فورم معاشرے اور معیشت کے بارے میں ہر قسم کے غیر لچک دار خیالات کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ ورلڈ سوشل فورم کے نزدیک سچائی کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لہٰذا کسی کو اپنے خیالات کی حقایت ثابت کرنے کے لیے دباؤ، دھاندلی اور تشدد کا استعمال کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ ورلڈ سوشل فورم جمہوریت، انسانی حقوق، بقائے باہمی، انسانی مساوات اور مختلف نسلوں، صنفوں اور ثقافتوں کے درمیان امن و آشتی کا پرچار کرتے ہوئے غلبہ، تشدد اور ناانصافی کی ہر شکل کی مذمت کرتا ہے۔

☆ ورلڈ سوشل فورم بحث و مباحثہ اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فیصلوں پر عمل درآمد کے لیے پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔ یہ سرمایہ کے غلبہ کے خلاف ہونے والی جدوجہد کا حصہ ہے اور متبادل تصورات کی ترویج کرتا ہے جو سماجی برابری، انصاف اور امن پر مبنی معاشرے کے قیام کے لیے ضروری ہے۔

☆ اس مقصد کے تحت، ورلڈ سوشل فورم دنیا بھر کی تنظیموں اور تحریکوں کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کا خواہش مند ہے جو انفرادی اور اجتماعی طور پر ریاستی جبر، سامراجی عالمگیریت اور سیاسی غلبہ کے خلاف پرامن جدوجہد کر رہی ہیں۔

☆ ورلڈ سوشل فورم اپنی رکن تنظیموں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تاکہ وہ اپنے مقامی مسائل کو علاقائی اور عالمی تناظر میں دیکھیں۔ خود کو عالمی ثقافت اور انسانی برادری کا حصہ تسلیم کرتے ہوئے سول سوسائٹی کے عالمی ایجنڈے سے جڑیں اور اس حقیقت پر یقین رکھیں کہ تمام انسانوں کی مشترکہ جدوجہد کے ذریعے ''ایک نئی دنیا کی تشکیل ممکن ہے۔''